HJRS HEC Journal Recognition System
Category Y
AL-HAYAT RESEARCH JOURNAL
AL-HAYAT Research Journal
Jlali Research Institute of Social Science, Lahore
ISSN (Online): 3006-4767
ISSN (Print): 3006-4759
Volume 2 Issue 2 (Jan-Mar 2025)

نکاح و حرمتِ نکاح: اسلامی معاشرے کی اخلاقی و سماجی اساس

Marriage and the Sanctity of Marriage: The Moral and Social Foundation of Islamic Society

Dr. Peree Gul Tareen
Lecturer Islamic Studies Department, Sardar Bahadur Khan womens University Quetta Balochistan, drpareegulltareen@gmail.com

Dr. Farida
Lecturer Islamic Studies Department, Sardar Bahadur Khan womens University Quetta Balochistan, faridakakar5@gmail.com

Abstract

Marriage (Nikah) and the sanctity of marriage occupy a central position in the moral and social structure of Islamic society. Islam presents marriage not merely as a legal contract but as a sacred institution designed to preserve human dignity, moral purity, and social stability. This study explores the concept of Nikah and the sanctity attached to it in Islamic teachings, with particular emphasis on their role in strengthening ethical values and maintaining social order. Drawing upon the Qur'an, Sunnah, and classical Islamic jurisprudence, the research analyzes how marriage functions as a safeguard against moral deviation, protects lineage, and promotes mutual responsibility and compassion within the family system. The study further highlights that the sanctity of marriage contributes significantly to social harmony by regulating interpersonal relationships and reinforcing ethical boundaries. The paper concludes that adherence to the principles of Nikah and the sanctity of marriage is essential for the moral integrity and sustainable development of Islamic society.

Keywords: Marriage (Nikah); Sanctity of Marriage; Islamic Society; Moral Values; Social Stability; Family System

تمہید:

اسلامی معاشرہ ایک مضبوط اخلاقی اور سماجی نظام پر قائم ہے جس کی بنیاد نکاح اور حرمتِ نکاح جیسے مقدس اداروں پر ہے۔ نکاح نہ صرف فطری تقاضوں کی جائز تکمیل کا ذریعہ ہے بلکہ عفت، پاکدامنی اور خاندانی استحکام کا ضامن بھی ہے۔ اسلام نے نکاح کو ایک باقاعدہ شرعی معاہدہ قرار دے کر معاشرے کو بے راہ روی، اخلاقی انحطاط اور سماجی انتشار سے محفوظ رکھا ہے۔ اسی طرح حرمتِ نکاح کے احکام انسانی رشتوں کے تقدس، نسب کے تحفظ اور سماجی نظم و ضبط کے قیام میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں، جس سے اسلامی معاشرہ اخلاقی اور سماجی طور پر مستحکم ہوتا ہے۔

تحقیقی سوالات:

1. اسلامی تعلیمات کی روشنی میں نکاح اور حرمتِ نکاح کا مفہوم اور مقصد کیا ہے؟
2. دورِ جاہلیت میں نکاح کے کون کونسے طریقے اپنائے جاتے تھے؟
3. نکاح اور حرمتِ نکاح اسلامی معاشرے کے اخلاقی اور سماجی استحکام میں کس طرح کردار ادا کرتے ہیں؟

منہجِ تحقیق:

اس تحقیق میں تجزیاتی و بیانیہ منہج اختیار کرتے ہوئے قرآن و سنت کی روشنی میں نکاح اور حرمتِ نکاح کے احکام کا جائزہ لیا جائے گا

اسلامی معاشرے کا استحکام:

ہجرتِ مدینہ کے بعد آنحضور اکرمؐ نے مدینہ منورہ میں ایک اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھی، پہلے پہل عبادات کے نظام کو درست کیا، اور عبادات میں نماز سے آغاز کیا گیا نماز جب کہ مسلمانوں پر مکہ میں ہی فرض ہوئی تھی لیکن مدینہ میں نماز کے لیے خاص طور پر جگہ اور وقت کا اہتمام کیا گیا۔ عبادات کے بعد اس معاشرے کو مستحکم کرنے کی ضرورت تھی، معاشرے کے استحکام

OPEN ACCESS
CC BY

کے لیے اور مرد وزن میں خوشگوار تعلقات قائم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے نکاح کا حکم دیا۔ تاکہ نسلِ انسانی کی بقاء صحیح بنیادوں پر ہو اور ایک صالح معاشرہ وجود میں آسکے۔ ذیل میں نکاح کے احکام بیان کیے جاتے ہیں۔

الف۔ نکاح کے احکام: نکاح کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود سورۃ النساء کی آیت نمبر ۳ میں فرمایا:

"وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِى الۡيَتٰمٰى فَانْكِحُوۡا مَا طَابَ لَـكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ‌ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً اَوۡ مَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ‌ ط ذٰ لِكَ اَدۡنٰٓى اَلَّا تَعُوۡلُوۡا ط۔"

ترجمہ: "اور اگر تم ڈرو کہ نہ انصاف کر سکو گے یتیم لڑکیوں کے حق میں تو نکاح کر لو جو عورتیں تم کو خوش آویں دو دو، تین تین، چار چار، پھر اگر ڈرو کہ ان میں انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی نکاح کرو، یا لونڈی جو اپنا مال ہے اس میں امید ہے کہ ایک طرف نہ جھک پڑو گے۔" [1]

زمانہ جاہلیت میں عورتوں کے نکاح ان کی مرضی سے نہیں کیے جاتے تھے، نہ مرد کی مرضی پوچھی جاتی تھی اور نہ عورت کی۔ باپ جس سے چاہتا اولاد کی شادی کرا دیتا تھا۔ خاص طور پر یتیم لڑکیاں جو کہ اپنے باپ کے سائے سے محروم ہوتی تھیں، عرب ان لڑکیوں کو زمانہ جاہلیت میں اپنا مال سمجھتے تھے، پہلے تو انہیں نکاح کا حق نہیں دیتے تھے، پھر اگر حقِ نکاح دیتے تو ان کو مہر اپنی مرضی سے چاہتے تو دیتے، اور چاہتے تو ہڑپ کر جاتے۔ خاص طور پر یتیم لڑکیوں کی حق تلفی ہوتی تھی، اور اگر یتیم لڑکی مالدار ہوتی اور خوب صورت نہ ہوتی تو اس کا ولی اس لڑکی سے خود نکاح کر لیتا تھا، لیکن اس سے محبت نہ کرتا اور اس کے حقوق بھی پورے نہ کرتا، جو ایک خاوند کو پورے کرنے چاہیے، ولی اس عورت یا لڑکی سے نکاح صرف جائیداد کی لالچ میں کرتا تھا۔ عرب کے معاشرے میں لوگ نکاح تو کرتے تھے مگر ان کی تعداد مقرر نہیں تھیں۔ اس طرح ان کے پاس ایک کے بجائے کئی عورتیں جمع ہو جاتی تھیں، اور وہ عورتوں کے حقوق پورے نہیں کرتے تھے۔ مذکورہ بالا آیت میں جہاں تعدادِ ازواج کی تحدید کر دی گئی ہے۔ وہاں انصاف کو بھی مدِ نظر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر انصاف نہ ہو سکے۔ تو پھر ایک بیوی پر اکتفاء کرنا چاہیے۔ اس آیت کا حکم تمام عورتوں کے لیے ہے۔

جو بھی کسی لڑکی کا نکاح کرتا ہے، اسلام نے لڑکی کی ذمہ داری اس کے ولی کے سپرد کی ہے۔ اسے چاہیے کہ اس ذمہ داری کو احسن طریقے سے پورا کرے۔ خصوصاً یتیم لڑکیوں کا خیال رکھا جائے کہ ان کی حق تلفی نہ ہونے پائے۔ عرب دور جاہلیت میں اگرچہ یتیم کے ساتھ برے سلوک کو برا ہی سمجھتے تھے، لیکن عورتوں کے ساتھ ظلم کو برا نہیں سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ان عورتوں سے نکاح کرو جو تم کو پسند ہوں، اور اس سے آگے والی آیت میں وہ رشتے بھی بتا دیے ہیں۔ جو حرام ہیں یعنی جن سے نکاح نہیں کیا جا سکتا ہے، جن سے نکاح جائز ہے ان عورتوں سے چار تک کی اجازت ہے، بعد میں فرمایا کہ یتیموں کے ساتھ ناانصافی بری ہے تمام عورتوں کے ساتھ بھی ناانصافی کو برا سمجھو۔

i۔ نکاح کے لغوی معنی: نکاح کے لغوی معنی کو مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے یوں بیان کیا ہے:

"نکاح کے اصل معنی دو چیزوں کے انضمام اور ملانے کے ہیں، اسی مناسبت سے لغت میں مرد و عورت کے صنفی تعلق کو نکاح کہا جاتا ہے۔" [2]

ii۔ نکاح کے اصطلاحی معنی: جبکہ اصطلاح میں نکاح باہم ملنے کو کہتے ہے۔ اس کا مطلب نکاح وہ عقد ہے، جو ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان جائز رشتہ زن و شو کو قائم کرتا ہے، یعنی مرد کا عورت سے نفع حاصل کرنا۔ نفع مثلاً چھونا، بوسہ لینا، جماع کرنا اور نسل بڑھانا اس میں آجاتا ہے۔ نبی پاک ﷺ کی حدیث ہے:

"حضرت عبد اللہؓ نے فرمایا کہ ...رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا: اے جوانوں کے گروہ! تم میں جو نکاح کرنے کی طاقت رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ وہ نکاح کر لے کیوں کہ نکاح آنکھوں کو بہت زیادہ نیچے رکھنے والا اور زنا سے محفوظ رکھنے والا ہے اور جو نکاح کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے کیوں کہ روزے رکھنا اس کے لیے خصی، نامرد، ہونا ہے۔" [3]

iii۔ جاہلیت کے وہ نکاح جن کو اسلام نے ختم کر دیا: زمانہ جاہلیت میں نکاح چار طریقوں سے کیا جاتا تھا، ایک صورت یہ تھی جو آج کل لوگوں میں رائج ہے ایک شخص دوسرے شخص کے پاس اس کی زیرِ پرورش لڑکی یا اپنی بیٹی کے نکاح کا پیغام بھیجتا اور مرد عورت کو مہر دے کر نکاح کر لیتا تھا۔ دورِ جاہلیت کے نکاح کے دوسرے طریقے کو مولانا صفی الرحمن مبارک پوری نے یوں بیان کیا ہے:

"دوسرا طریقہ یہ تھا کہ کوئی شوہر اپنی بیوی سے جب وہ حیض سے پاک ہوتی، تو کہتا کہ تم فلاں شخص کے پاس جاؤ اور اس سے اس کی شرمگاہ حاصل کرو یعنی اس سے زنا کرلو اور شوہر خود اس سے الگ تھلگ رہتا اور اس کے قریب نہیں جاتا، یہاں تک کہ یہ واضح ہو جاتا کہ جس شخص سے اس نے زنا کیا تھا اس سے اس کا حمل ٹھہر گیا ہے، جب حمل واضح ہو جاتا تو شوہر اگر چاہتا اس کے پاس چلا جاتا اور یہ سب اس لیے کیا جاتا، کہ لڑکا باکمال پیدا ہو، اس نکاح کو نکاح استبضاع کہا جاتا تھا، اور ہندوستان میں اس کو نیوگ کہا جاتا ہے۔" [4]

تیسری صورت نکاح کی یہ تھی کہ دس آدمیوں سے کم کی ایک جماعت اکٹھا ہوتی، سب کے سب ایک ہی عورت کے پاس جاتے۔ اور بالکل آزادی وبے خوفی سے اس سے بدکاری کرتے، جب وہ عورت حاملہ ہو جاتی اور بچہ پیدا ہوتا تو پیدائش کے چند دن بعد وہ عورت سب کو بلاتی اور سب کو آنا پڑتا، مجال نہیں کسی کی کہ جو نہ آتا، اس کے بعد وہ عورت کہتی کہ آپ لوگوں کا جو معاملہ تھا، وہ تو آپ سب جانتے ہی ہیں، اور اب میرے بطن سے جو بچہ پیدا ہوا ہے، اور یہ اے فلاں تمھارا بیٹا ہے، وہ عورت ان میں سے جس کا نام لیتی، وہ اس کا باپ کہلاتا تھا اور اس طرح یہ لڑکا ہمیشہ کے لیے اس کا ہو جاتا۔

نکاح کا چوتھا طریقہ یہ تھا کہ بہت سے لوگ اکٹھے ہوتے، اور کسی عورت کے پاس جاتے، وہ اپنے پاس کسی آنے والے کو انکار نہ کرتی تھی، ایسی عورتیں رنڈیاں کہلاتی تھیں، اپنے دروازے پر جھنڈیاں گاڑے رکھتیں تھیں، تاکہ یہ نشانی کے طور پر کام کر سکے۔

CC BY

iv۔ مثنیٰ و ثلث و ربع کی اجازت عورت کی حفاظت:

اسلام سے پہلے کئی کئی، بیویوں کا رواج تھا۔ ایک شخص دس دس بیویاں کر لیتا تھا، جب اس پر بوجھ نا قابلِ برداشت نہیں ہوتا تو وہ ان بیویوں کی بھی حق تلفی کرتا اور ان کے حقوق بھی پورے نہ کرتا، وہ اپنی بیویوں کو ستاتے اور جو بیوی اس کو پسند ہوتی اس کے ساتھ رویہ اچھا رکھتے، باقیوں کے ساتھ ظلم کا رویہ رکھتے تھے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیویوں کی حد قائم کر دی۔ ایک آزاد شخص ایک وقت میں چار بیویاں رکھ سکتا ہے، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے :

"فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ۔"

ترجمہ: "تو نکاح کر لو جو عورتیں تم کو خوش آویں، دو دو، تین تین، چار چار۔"۵

اس آیت میں مثنیٰ کا مطلب دو دو، ثلث یعنی تین تین، ربع یعنی چار چار تک کی اجازت اسلام نے دے دی ہے، تعداد ازواق کی اجازت انجیل میں بھی دی گئی ہے:

"انجیل کے الفاظ کے مطابق تعداد ازواج صرف پسند دیدہ ہی نہیں بلکہ اللہ نے اس میں خاص برکت دی ہے۔" ۶

اسلام کے ابتدائی زمانے میں بھی کثرت ازواج کی رسم بغیر حدود و قیود کے جاری تھی، لیکن کثرت ازواج کا نتیجہ یہ تھا کہ پہلے تو حرص میں لوگ بہت نکاح کر لیتے تھے مگر پھر ان کے حقوق ادا نہ کر سکتے تھے اور یہ عورتیں ان کی نکاح میں ایک قیدی کی حیثیت سے زندگی گزارتیں جو عورتیں ایک شخص کے نکاح میں ہوتیں۔ ان میں عدل و مساوات کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ وہ ان عورتوں میں جس سے محبت کرتا یا اچھی لگتی تھیں، اس کی طرف جھک جاتا اور اسی ایک کو ہی نوازتا اور جس سے رخ پھیر لیتا پھر اسے انصاف و عدل اور مساوات کی کوئی پرواہ بھی نہ تھی، اسلام میں ایک طرف تو اجازت دی گئی کہ ایک سے زائد دو، تین یا چار عورتیں نکاح میں جمع کر سکتے ہو، تو دوسری طرف چار کے عدد تک پہنچ کر یہ پابندی بھی لگا دی کہ اسلام نے مذکورہ تعداد ازواج کو واجب اور لازم قرار نہیں دیا بلکہ بشرطِ عدل و انصاف اس کی اجازت دی کہ تمہیں چار بیویوں کی حد تک نکاح کی اجازت ہے، اور اس چار کی حد سے تجاوز کی اجازت نہیں نکاح کا مقصد تو صرف حفاظت نظر اور حفاظتِ نسل و نسب مطلوب ہے۔ لیکن یہ اجازت اس وقت دی گئی ہے کہ تم بیویوں کے درمیان عدل و انصاف قائم کرو اگر کوئی شخص اس شرط کو پوری نہیں کر سکتا تو اس کے لیے ایک ہی بیوی کافی ہے۔ بیویوں سے عدل کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

"فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً ط۔"

ترجمہ: "پس اگر تمہیں ڈر ہو کہ نہ انصاف کر سکو گے تم ان میں، پس ایک ہی پر اکتفا کرو۔"ے

v۔ بیوہ کو نکاح کی اجازت:

دور جاہلیت میں شوہر بیوی کی جان دونوں کو اپنے مال کی طرح سمجھتا تھا، شوہر کے مرنے کے بعد عورت کو ترکہ سمجھا جاتا تھا، شوہر کے مرنے کے بعد اس کے وارث مال سمجھنے کی وجہ سے اس کو دوسری جگہ نکاح کی اجازت بھی نہ دیتے۔ ان تمام مظالم کا اسلام نے خاتمہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

"لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ط وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ۔"

ترجمہ: "یعنی عورتوں کو اپنی مرضی کا نکاح کرنے سے نہ روکو، اس خیال پر کہ جو تم نے یا تمہارے عزیز نے ان کو بطور ہدیہ کے دے دیا وہ اس سے واپس لینا جائز ہے۔" ۸

علامہ ابن کثیرؒ نے دورِ جاہلیت میں بیوہ عورتوں کے ساتھ جو ظلم کیا جاتا تھا، اس کے بارے میں لکھتے ہیں :

"حضرت عکرمہ کی روایت ہے ابو قیس کی بیوی کا نام کبیشہ تھا اس نے اس صورت کی خبر آپ ﷺ کو دی کہ یہ لوگ نہ مجھے وارثوں میں شمار کر کے میرے خاوند کا ورثہ دیتے ہیں نہ مجھے چھوڑتے ہیں کہ میں اور کہیں اپنا نکاح کر لوں اس پر یہ آیت نازل ہوئی تھی۔" ۹

ب۔ مہر کے احکام: مہر کے متعلق جاہلانہ برتاؤ: جاہلیت میں عورت کو مہر سرے سے دیا ہی نہیں جاتا، مہر لڑکی نہیں بلکہ اس کے اولیاء یا شوہر لیتے تھے، قران پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

"وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ط۔"

ترجمہ: "اور دے دو عورتوں کو ان کا مہر خوشی سے۔"۱۰

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اتو النساء صدقتھن یعنی دو عورتوں کو ان کا مہر اس کے مخاطب عورت کا شوہر اور اس کا سرپرست بھی ہے شوہر اس طرح مخاطب ہے کہ وہ مہر خود اپنے بیوی کو دے دوسروں کو نہ دے اور اولیاء اور سرپرست اس طرح مخاطب ہیں کہ جب تم لڑکیوں کے مہر وصول کر لو تو اس کو اپنی بیٹیوں کو ہی دے دو، مہر کو لڑکی کی اجازت کے بغیر اپنی تصرف میں نہ لاؤ۔ مہر لڑکی اور بیوی دونوں کا حق ہے۔ اللہ رب العزت نے عورت کے حق میں مہر واجب کر دیا ہے، مہر خوشی سے ادا کرنا چاہیے، جاہلیت میں اکثر شوہر ایسا کرتے کہ عورت کو مہر پہلے تو دے دیتے پھر بعد میں اس پر دباؤ ڈال کر، یا اس کو دغا دے کر معاف کروالیتے تھے۔ آج بھی یہ رسم اس انداز میں جاری ہے کہ عورتیں مہر مانگنے کو یا لینے کو عیب، بے شرمی اور بے حیائی سمجھتیں ہیں، اور اگر کوئی ایسا کرے تو اس کو بدنام کرتے ہیں، اپنا حق مانگنا یا وصول کرنا شرعاً کوئی عیب نہیں رسم و رواج کی وجہ سے یا زمانے کی باتوں کی وجہ سے اس کو عیب سمجھنا گناہ سے خالی نہیں، عورت کا مہر نہ تو شوہر کو اور نہ والدین یا بہن بھائیوں کو دینا چاہیے، بلکہ یہ صرف اسی کا حق ہے، ہمارے معاشرے میں بڑا عجیب رواج ہے، اپنی لڑکیوں پر باقاعدہ پیسے لیتے ہیں، کہ آدھے پیسوں سے لڑکی کا سامان لیتے ہیں اور باقی حصہ خود کھاتے ہیں۔

OPEN ACCESS
CC BY

عورت کے حق مہر کا ذکر خود اللہ تعالی نے سورۃ النساء کی آیت نمبر ۴ میں کر دیا یعنی عورت کو اس کا مہر خوشی سے دے دو پھر اگر خود اپنی خوشی سے معاف کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، ارشادِ ربانی ہے :

"وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ط فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا۔ ترجمہ:۔ اور دے ڈالو عورتوں کو ان کا مہر خوشی سے پھر اگر وہ اس میں کچھ چھوڑ دیں تم کو دل کی خوشی سے تو کھاؤ رچتا پچتا۔" [11]

اس آیت کی ابتدا اللہ رب العزت نے اتوا النسائیعنی فعل امر کے صغیے سے کی ہے، مطلب اس کا یہ ہوا کہ دے دو عورتوں کو، اب اس سے اگلا لفظ صد قتھن یعنی صد قات آیا ہے، صد قعورتوں کے مہر کو کہا جاتا ہے یعنی مہر کو صدق اور صدقہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ صدق کے معنی سچ کے ہیں، مہر سے بھی چونکہ شوہر کا اپنی بیوی کی طرف سچا وعدہ، میلان، ملنا ایک ہونا ظاہر ہوتا ہے، اس لیے مہر کو صدقہ کہا جاتا ہے، نحلۃ کا یہاں پر مطلب یہ ہے کہ جو لوگ زمانہ جاہلیت میں مہر کو ایک بوجھ سمجھ کر ادا کرتے تھے، اس میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ اس کو بوجھ سمجھ کر ادا نہ کرو، بلکہ خوش دلی، محبت، صداقت اور راحت سمجھ کر ادا کرو۔ کیونکہ یہ تحفہ محبت ہے جو کہ شوہر بیوی کو دیتا ہے۔ یہ دو لوگوں کے درمیان بندھن ہے، اس سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے، جو شوہر بیوی کو دیتا ہے، پھر آگے فان طبن لکم فرما کر یہ بالکل صاف واضح کر دیا کہ اگر کوئی عورت، لڑکی اور بیوہ اپنا مہر نفس کی رضامندی سے معاف کر دے یا کم کر دے یا چھوڑ دے تو معاف ہو سکتا ہے، اگر بیوی پر کسی قسم کے دباؤ کے ساتھ، جبر، ظلم یا زبردستی کر کے معاف کرایا جائے تو یہ شوہر کے لیے جائز نہیں ہے، اس معاملہ کا پورا اختیار عورت کو ہے، اس کی مرضی کے بغیر اس کے سرپرست یا اولیاء میں سے کوئی بھی اس کے مہر کو نہ کم کر سکتے ہیں اور نہ بڑھا سکتے ہیں اس کو معاف کرانے کے لیے اس آیت میں لفظ فان طبن آیا ہے، مطلب اس کا یہاں پر، طیب نفس، ہے طیب قلب، نہیں ہے۔ صرف خوشدلی سے دینا کافی نہیں ہے بلکہ نفس بھی اگر خوش ہے تو مہر کم ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالی نے اس آیت میں فاان طبن لکم فرمایا یعنی اگر بیوی خود اپنے نفس کی خوشی سے معاف کرے تو بالکل معاف ہے۔ نکاح کے بعد شوہر پر مہر کی ادائیگی فرض ہو جاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فما استمتعتم بہ منھن فاتوھن اجورھن فریضۃً۔"

ترجمہ: "پھر جس کو کام میں لائے تم ان عورتوں میں سے تو ان کو دو ان کے حق جو مقرر ہوئے۔" [12]

یعنی نکاح کے بعد جن عورتوں سے استمتاع کرلو تو ان کو مہر دے دو، یہ مہر شوہر پر فرض کیا گیا ہے، اس آیت میں استمتاع سے مراد بیویوں سے ہمبستر ہونا، وطی کرنا، محبت کرنا مباشرت کرنا ہے۔ [13] اگر نکاح ہو جائے مگر مباشرت کا موقع نہ ملے تو مباشرت سے پہلے بیوی کو کسی وجہ سے طلاق ہو جائے، تو شوہر کو اپنی اس مطلقہ کو آدھا مہر دینا واجب ہے، لیکن اگر شوہر بیوی سے مباشرت کرے، تو پھر اس بیوی کو پورا مہر دینا واجب ہو گا، لیکن جو مہر مقرر ہوا ہے وہ حتمی نہیں ہے، وہ زیادہ بھی ہو سکتا ہے اور کم بھی ہو سکتا ہے یعنی جو مہر ان دونوں کے درمیان مقرر ہو چکا ہے، اب اگر شوہر چاہے تو اس میں زیادتی کر سکتا ہے اور بیوی اگر چاہے اس میں کمی بھی کر سکتی ہے، لیکن اپنے نفس کی خوشی کے ساتھ کیوں کہ اس بات کی اللہ تعالی نے ہر شخص کو کھلی اجازت دی ہے۔

ii۔ مہر کی قسمیں: مہر کے دو قسمیں ہیں، مہر موجل اور مہر معجل۔

1۔ مہر موجل: عقد نکاح کہ وقت لڑکی کا ولی کہے کہ مثلاً دس ہزار مہر موجل کے عوض نکاح کر دیا، اور شوہر کہے میں نے قبول کیا، یہ مہر موجل ہے، مہر موجل خاوند کے ذمے قرض ہوتا ہے مگر ایسا قرض جس کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں کیا گیا ہو۔ لڑکی والے مہر وصول نہ ہونے کی وجہ سے لڑکی روک نہیں سکتے۔ اس کے بارے میں مولانا محمد رفعت قاسمی لکھتے ہیں :

"جس مہر کی کچھ مدت ادائیگی کے لیے مقرر کی گئی یا لا علی التعین (کوئی وقت مقررنہ ہو) چھوڑا گیا ہو وہ مؤجل ہے یعنی مہر مؤجل جس کی ادائیگی کا علی الفور وعدہ نہ ہو بلکہ کسی مدت پر محمول ہو خواہ وہ مدت معلوم ہو یا مجہول۔" [14]

2۔ مہر معجل: عقد نکاح کہ وقت یہ کہا جائے کہ، مثال کے طور پر دس ہزار روپے مہر معجل کے بدلے نکاح کر دیا اور دوسرے نے کہا کہ میں نے قبول کیا، تو یہ مہر معجل ہے۔ مہر معجل کا حکم یہ ہے کہ جب تک ادا نہ ہو لڑکی والے رخصتی کو روک سکتے ہیں۔ لیکن اگر اس مہر کی رقم معلوم نہ ہو تو اس کے بارے میں مولانا مودودیؒ نے یوں بیان کیا ہے:

"اگر معجل کی مقدار واضح نہ کی گئی ہو تو دیکھا جائے گا کہ عورت کس طبقہ کی ہے اور مہر کتنا ہے اور یہ کہ ایسی عورت کے لیے مہر میں سے کس قدر معجل قرار دیا جائے۔ بس اتنی ہی مقدار معجل قرار دی جائے۔ ایک چوتھائی یا پانچویں حصہ کی تعین نہ کر دینی چاہیے جو رواج ہو اس کا اعتبار کرنا چاہیے۔" [15]

مہر مؤجل کی ادائیگی نکاح کے بعد فوراً یعنی خلوت کے وقت ہوتی ہے اور شوہر موت تک اس مہر کو ادا کر سکتا ہے۔

3۔ مہر مثل کیا ہے: اسلام میں مہر مثل کی بھی اجازت دی ہے، مہر مثل کے بارے میں حکیم محمود احمد ظفر لکھتے ہیں:

"مہر مثل وہ مہر ہے کہ عورت کی حقیقی بہنوں، علاتی بہنوں، پھوپھیوں اور چچازاد بہنوں کو دیکھا جائے گا کہ ان میں سے جو اس عورت کی ہم شہر، ہم عصر، اور مال، جمال، عمر عقل اور دین داری میں اس کی مثل ہو، تو جو اس کا مہر ہو گا، وہی مہر دوسری کا بھی ہو گا۔" [16]

iii۔ مہر کم سے کم ہو: مہر کی رقم کم سے کم ہو، کوشش یہ کرنی چاہیے کہ مہر کی وجہ سے شادی میں مسئلے پیدا نہ ہوں۔ کسی بھی چیز کی کم سے کم مقدار پر بھی نکاح ہو جاتا ہے، مٹھی بھر ستو دینے سے بھی مرد اور عورت کے درمیان میاں بیوی کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ آج والدین زیادہ مہر کو عزت کی علامت تصور کرتے ہیں، مہر مقرر کرتے وقت لڑکی کی حیثیت کا لحاظ نہیں رکھا جاتا ہے، بلکہ زیادہ مہر کو فخر سمجھتے ہیں، اور بعد میں یہی مہر جھگڑے کھڑے کر دیتی ہیں۔ اگر مہر زیادہ ہونا شرف اور خوش نصیبی کی بات ہوتی تو حضرت محمدؐ کی ازواج مطہرات اور آپؐ کی صاحبزادیوں کا مہر زیادہ ہوتا، نہ تو آپؐ کی کسی بیوی کا اور نہ آپؐ کی کسی صاحبزادی کا مہر پانچ سو درہم سے زیادہ مقرر تھا، مہر کی زیادتی کو فخر سمجھنا اس پر جھگڑے کھڑے کرنا جاہلیت کی باقیات ہیں۔

CC BY

حرمتِ نکاح:

کافر عورتوں سے نکاح کی حرمت:

"یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا جَآءَکُمُ الۡمُؤۡمِنٰتُ مُھٰجِرٰتٍ فَامۡتَحِنُوۡھُنَّ ط اَللّٰہُ اَعۡلَمُ بِاِیۡمَانِھِنَّ فَاِنۡ عَلِمۡتُمُوۡھُنَّ مُؤۡمِنٰتٍ فَلَا تَرۡجِعُوۡھُنَّ اِلَی الۡکُفَّارِ ط لَا ھُنَّ حِلٌّ لَّھُمۡ وَلَا ھُمۡ یَحِلُّوۡنَ لَھُنَّ ط وَاٰتُوۡھُمۡ مَّاۤ اَنۡفَقُوۡا ط۔"

ترجمہ: "اے ایمان والو! جب آئیں تمہارے پاس ایمان والی عورتیں وطن چھوڑ کر تو ان کو جانچ لو اللہ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو پھر اگر جانو کہ وہ ایمان پر ہیں تو مت پھیرو ان کو کافروں کی طرف نہ یہ عورتیں حلال ہیں ان (کافروں) کو اور نہ وہ کافر حلال ہیں ان عورتوں کو، اور دے دو ان (کافروں) کو جو ان کا خرچ ہوا ہو۔" ۱۷

i۔ سببِ نزول: مذکورہ بالا آیات ایک خاص موقع سے متعلق ہیں اور وہ موقع صلح حدیبیہ کا ہے، صلح حدیبیہ میں کچھ شرائط پر صلح نامہ لکھا گیا تھا۔ اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو شخص مسلمانوں میں سے کافروں کی طرف چلا جائے، تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا اور جو شخص کافروں سے مسلمانوں کی طرف آئے گا وہ کافروں کو واپس کر دیا جائے گا، اس صلح نامہ کے بعد بعض مسلمان مدینہ منورہ آئے اور واپس کر دیئے گئے، اس دوران بعض عورتیں مسلمان ہو کر مدینہ آئیں، ان کے اقارب نے ان کی واپسی کی درخواست کی، اس پر یہ مذکورہ آیات نازل ہوئیں، جس میں عورتوں کے واپس کرنے کی ممانعت کی گئی، ان کا نزول ہی اس لیے ہوا کہ اس میں صلح حدیبیہ کے مضمون کو ہی مخصوص کیا گیا اور ان آیات کے نازل ہونے کے بعد صلح نامہ منسوخ ہو گیا۔ اس میں کچھ احکام ان عورتوں کے متعلق ہیں جو کہ ہجرت سے پہلے مسلمانوں کے نکاح میں تھیں مگر اسلام نہ لائیں اور مکہ میں ہی رہ گئیں۔ مولانا مفتی محمد شفیع معارف القرآن میں لکھتے ہیں:

"سعیدہ بنتِ الحارث الاسلمیہؓ جو مسلمان تھیں مگر صیفی بن انصب کے نکاح میں تھیں جو کافر تھا، بعض روایات میں اس کا نام مسافر المخزومی بتلایا گیا ہے (اس وقت مسلمانوں اور کفار میں رشتہ مناکحت طرفین سے حرام نہیں ہوا تھا) یہ مسلمان عورت مکہ سے بھاگ کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئی، ساتھ ہی اس کا شوہر حاضر ہوا اور رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ میری عورت مجھے واپس کی جائے کیوں کہ آپؐ نے یہ شرط قبول کر لی ہے اور ابھی تک اس معاہدہ کی مہر بھی خشک نہیں ہوئی ہے۔" ۱۸

اس واقعہ پر آیت مذکورہ نازل ہوئی جس میں مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان عقدِ مناکحت کو حرام قرار دیا گیا ہے اور اس کے نتیجہ میں یہ معلوم ہوا کہ جو عورت چاہے ہجرت سے پہلے اس کا مسلمان ہونا معلوم ہوا ہو یا ہجرت کے وقت ہی اس کا مسلمان ہونا معلوم ہوا ہو، اگر وہ ہجرت کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے تو اس کو واپس کفار کے قبضہ میں نہ دیا جائے، کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے کافر شوہر کے لیے حلال نہیں رہی۔ اس آیت کے نزول کے بعد صلح نامہ کی وہ شرط جس میں درج تھا کہ جو بھی مسلمان آپؐ کے پاس آئے آپؐ واپس کریں گے باقی نہیں رہی، یہ شرط صرف مردوں کے لیے تھی، عورتوں کے معاملے میں اس کو مشروط نہیں کیا جا سکتا، ان کے بارے میں ارشادِ الٰہی کے مطابق صرف اتنا کہا جا سکتا ہے۔ "ط وَاٰتُوۡھُمۡ مَّاۤ اَنۡفَقُوۡا" جو عورت مسلمان ہو کر ہجرت کرے اس کے کافر شوہر نے اس پر جو کچھ مہر کی صورت میں خرچ کیا ہے، وہ خرچ اس کو واپس کیا جائے گا۔ ان آیات کی بناء پر آپؐ نے اس شرط کے مفہوم کو واضح فرمادیا اور اس کے مطابق حضرت سعیدہؓ کو واپس نہیں کیا۔ اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کو وہ سب واپس کرنے کا حکم دیا ہے جو انہوں نے ان عورتوں پر خرچ کیا تھا۔

نہ صرف مسلمان عورتوں کو کافر مردوں سے بلکہ مسلمان مردوں کو بھی کافر عورتوں سے نکاح سے منع کیا ہے، اب کسی مسلمان کا نکاح مشرک عورت سے جائز نہیں جو نکاح پہلے ہو چکے ہیں، وہ بھی ختم ہو چکے، اب کسی مشرک عورت کو اپنے نکاح میں رکھنے کی اجازت نہیں ہے، اور جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ کے نکاح میں مشرک عورتیں تھیں ان کو چھوڑ دیا، حضرت فاروقِ اعظمؓ کے نکاح میں دو عورتیں اس وقت تک تھیں جو ہجرت کے وقت مکہ مکرمہ میں رہ گئی تھیں، آپؓ نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ان دونوں کو وہاں پر ہی چھوڑ دیا اور ان سے قطع تعلق کر لیا کیوں کہ طلاق کی ضرورت تو نہیں تھی اس آیت کے نزول کے بعد نکاح خود بخود ٹوٹ گیا تھا۔ اسی آیت میں آگے فرمایا گیا ہے کہ جب معاملہ یہ ٹھہرا کہ جو عورت مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آجائے تو وہ مکہ نہ بھیجی جائے گی، البتہ اس کے شوہر نے جو مہر وغیرہ اس کو دیا ہے، وہ اس کے شوہر کو واپس کر دیا جائے گا، اسی طرح اگر خدانخواستہ کوئی مسلمان عورت مرتد ہو کر مکہ چلی جائے یا پہلے ہی سے کافر ہو اور مسلمان شوہر کے قبضے سے نکل جائے مکہ میں رہ لے تو کفارِ مکہ اس کو واپس نہیں کریں گے مگر اس کے شوہر نے جو مہر اس کو دیا ہے اس کی واپسی کفارِ مکہ کے ذمہ ہو گی۔

د۔ محرمات نکاح: محرماتِ نکاح کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"حُرِّمَتۡ عَلَیۡکُمۡ اُمَّھٰتُکُمۡ وَبَنٰتُکُمۡ وَاَخَوٰتُکُمۡ وَعَمّٰتُکُمۡ وَخٰلٰتُکُمۡ وَبَنٰتُ الۡاَخِ وَبَنٰتُ الۡاُخۡتِ وَاُمَّھٰتُکُمُ الّٰتِیۡۤ اَرۡضَعۡنَکُمۡ وَاَخَوٰتُکُمۡ مِّنَ الرَّضَاعَۃِ وَاُمَّھٰتُ نِسَآئِکُمۡ وَرَبَآئِبُکُمُ الّٰتِیۡ فِیۡ حُجُوۡرِکُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِکُمُ الّٰتِیۡ دَخَلۡتُمۡ بِھِنَّ فَاِنۡ لَّمۡ تَکُوۡنُوۡا دَخَلۡتُمۡ بِھِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ وَحَلَآئِلُ اَبۡنَآئِکُمُ الَّذِیۡنَ مِنۡ اَصۡلَابِکُمۡ وَاَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَیۡنَ الۡاُخۡتَیۡنِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ط۔"

ترجمہ: "حرام کی گئیں ہیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھائی کی لڑکیاں اور بہن کی لڑکیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری عورتوں کی مائیں اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں جن کو جنا ہے تمہاری ان عورتوں نے جن کے ساتھ تم نے صحبت کی۔ پھر اگر تم نے ان کے ساتھ صحبت نہیں کی تو تم پر کچھ گناہ نہیں اس نکاح میں اور تمہارے بیٹوں کی بیبیاں جو تمہارے صلبی بیٹے ہوں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرو مگر جو ہو چکا۔" ۱۹

محرماتِ نکاح کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

OPEN ACCESS

”محرماتِ مذکورہ فی الآیۃ کی حرمت اہلِ جاہلیت میں مشہور و مسلم تھی کہ جس کو وہ چھوڑ نہیں سکتے تھے بارِ خدایا۔ مگر تھوڑی سی باتیں جو انہوں نے بطور سرکشی اور فسق کے اپنی طرف سے ایجاد کر لی تھی، مثلاً باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا اور دو ہمشیروں کو جمع کرنا اور ان محرمات کی تحریم برابر قرناً بعد قرن ان میں چلی آتی تھی جن کا ان کے دلوں سے نکلنے کا احتمال نہ تھا۔“ ۲۰

اس لیے اللہ تعالیٰ نے لوگوں میں ادب و احترام کا جو رشتہ تھا اس کو برقرار رکھنے کے لیے یہ آیت نازل کی، جس کا نکاح کے صحیح ہونے کی شرط یہ بھی ہے، کہ عورت محرمات میں سے نہ ہو، لہٰذا یہاں یہ بتایا جائے گا، کہ کون سی عورتیں محرمات میں سے ہیں۔ جن سے نکاح کرنا حرام ہے۔

i۔مانع نسب: جو عورتیں نسبی رشتے کے سبب حرام ہوتی ہیں، وہ یہ ہیں۔ کہ ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی، لہٰذا ان رشتوں سے نکاح کرنا یا ایسا کام کرنا جو جماع کا سبب بنے جیسے بوسہ وغیرہ یہ سب ہمیشہ کے لیے حرام ہیں، ماں سے مراد اپنی ماں، دادی، پردادی، اوپر تک، نانی، پرنانی، اوپر تک تمام مراد ہیں۔ بیٹی سے مراد، اپنی بیٹی، اپنے بیٹے کی بیٹی پوتی، بیٹی کی بیٹی، نواسی اسی طرح نیچے تک، اسی طرح بہن چاہے حقیقی ہو، اخیافی یعنی ماں شریک، علاتی باپ شریک، سب حرام ہیں۔ بھتیجی اور بھانجی سے تین طرح کی بھتیجیاں اور بھانجیاں عینی، علاتی، اخیافی سب حرام ہیں۔ پھوپھی، خالہ بھی تینوں طرح کی مراد ہیں، باپ دادا کی پھوپھی، خالہ کی خالہ، ماں کی نانی حرام ہے۔

ii۔مانع مصاہرات: وہ عورتیں جو صہریت یعنی سسرالی رشتے کی وجہ سے حرام ہوں، ایک ساس یعنی بیوی کی ماں، ددیاس یعنی بیوی کی دادی ننیاس یعنی بیوی کی نانی اوپر تک، بیوی کی بیٹی اور بیٹوں کی اولاد، نیچے تک بیوی کی نواسی اور خود بیوی کی بیٹیوں کی بھی حرمت کے لیے ضروری ہے کہ مرد نے بیوی سے نکاح اور خلوت بھی کی ہو تو حرام ہے۔

۔مانع رضاعت: یعنی وہ عورتیں جو رضاعت کی وجہ سے حرام ہیں، چنانچہ وہ رشتے جو نسبی اور سسرالی ہونے کی وجہ سے حرام ہیں، وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام رہیں گے۔ اگر کسی عورت نے شیر خوارگی کی عمر میں دودھ پلایا ہے، تو ان دونوں میں ماں اور اولاد کا تعلق پیدا ہو جائے گا، اور دودھ پلانے والی عورت کا شوہر، دودھ پینے والے بچے کا رضاعی باپ بن جائے گا، پھر جو رشتہ دودھ پلانے والی عورت کے بچوں کا اپنے ماموں، خالہ، چچا وغیرہ سے ہے، وہی رشتہ ان سے اس بچے کا بھی ہے۔ اس کے بارے میں علامہ صدیق حسنؒ لکھتے ہیں :

”جہاں تک رضاعت کے اعتبار سے محرمات کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں رضاعی ماں اور رضاعی بہن کا تذکرہ کیا ہے مگر اس تحریم میں رضاعی ماں کی ماں بھی شامل ہے، حالانکہ حرمت کا باعث دودھ اس کے سبب سے نہیں وہ تو دودھ کے مالک، یعنی رضاعی ماں کے شوہر کے سبب سے ہے۔ یہ اس بات کی دلالت کرتی ہے کہ رضاعی ماں کا شوہر دودھ پینے والے بچے کا رضاعی باپ ہو گا جب رضاعی باپ ہونا اور ماں ہونا ثابت ہو گیا تو ان کی بہنوں وغیرہ اور ان کے اصول و فروع کی حرمت بھی ثابت ہو گئی۔“ ۲۱

iv۔جمع ہونے کی وجہ سے حرمت: یعنی وہ عورتیں جو دوسری عورتوں کے ساتھ جمع ہو کر محرمات میں سے ہو جاتی ہیں اور ان کی دو قسمیں ہو جاتی ہیں، پہلی یعنی وہ عورتیں جس کو شریعت نے حلال قرار دیا وہ اجنبی عورتیں ہیں، دوسری وہ جس کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے یعنی ایسی دو عورتوں کو جمع کرنا جو آپس میں نسبی رشتہ دار ہوں۔

v۔عدت کی وجہ سے حرمت: یعنی ان عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے، جو کسی اور مرد کے نکاح میں ہوں، یا عدت گزار رہی ہوں، مراد اس سے یہ ہے، کہ فوتگی اور طلاق کہ عدت کے دوران اس سے نکاح کرنا حرام ہے۔

vi۔کفر کی وجہ سے حرمت: یعنی وہ عورت جو مشرک و کافر ہو، بت پرست، آتش پرست ہو، یا کسی تصویر وغیرہ کی پوجا کرتی ہو، چاہے آزاد ہو یا غلام ہو، اس سے نکاح کرنا حرام ہے۔

vii۔مالک ہونے کی وجہ سے حرمت: یعنی وہ عورت جو مالک ہونے کی وجہ سے اپنے غلام کے لیے حرام ہیں، لہٰذا کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے غلام سے نکاح کرے۔

viii۔عدد کی وجہ سے حرمت: تمام آئمہ کا اتفاق ہے کہ ایک آزاد مرد بیک وقت صرف چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے۔ غلام کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غلام صرف دو عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے۔

ان محرمات کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے لونڈی کے ساتھ بھی نکاح کرنے کو حرام قرار دیا ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

”وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ط۔“

”اور خاوند والی عورتیں مگر جن کے مالک ہو جائیں تمہارے ہاتھ حکم ہوا اللہ کا تم پر اور حلال ہے تم کو سب عورتیں ان کے سوا بشرطیکہ طلب کرو ان کو اپنے مال کے بدلے قید میں لانے کو نہ مستی نکالنے کو۔“ ۲۲

ix۔مملوکہ ہونے کی وجہ سے حرمت: یعنی وہ باندیاں جن کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔ جب کہ پہلے سے آزاد عورت نکاح میں ہو، اسی طرح آزاد عورت اور باندی سے ایک ساتھ نکاح کرنا بھی حرام ہے، اس وقت باندی کا نکاح باطل ہو گا۔ آزاد کا اس پر کوئی اثر نہ ہو گا۔ بلکہ باندی کا نکاح باطل ہو جائے گا۔

حوالہ جات وحواشی :

۱۔القرآن، النِّسَاء:۳۔

۲۔خالد سیف اللہ، مولانا، رحمانی: ”قاموس الفقہ“ ج۵، ص۱۲۲۔

۳۔مسلم بن حجاج القشیری(مؤلف)، مولانا محمد زکریا اقبال(مترجم): ”صحیح مسلم“، ج۲، باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسہ الیہ ووجد مؤنہ واشتغال من عجز عن المؤن بصوم، کتاب النکاح، ح۱۳۱۱۔

۴۔صفی الرحمن، مولانا، مبارک پوری: ”الرحیق المختوم“، ص۹۶۔

۵۔القرآن، النِّسَاء:۳۔

۶۔محمد نعیم، مولانا: ”انوار القرآن“، ج۲، ص۵۴۲۔

CC BY

۷۔ القرآن، النّساء:۳۔

۸۔ القرآن، النّساء:۹۱۔

۹۔ ابنِ کثیر، اسمٰعیل، حافظ، عماد الدین، ابو الفداء (مؤلف)، خطیب الہند مولانا محمد جونا گڑھی (مترجم): "تفسیر ابنِ کثیر"، ج۱، ص۰۳۶۔

۱۰۔ القرآن، النّساء:۴۔

۱۱۔ القرآن، النّساء:۴۔

۱۲۔ القرآن، سورۃ النساء:۴۲۔

۱۳۔ انوار القرآن میں استمتاع کا مطلب فائدہ حاصل کرنا ہے، جب کہ شعیہ حضرات استمتاع سے نکاح متعہ کی اجازت لیتے ہیں، مگر یہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ متعہ عارضی نکاح کا نام ہے، مثلاً ہفتہ دو ہفتہ یا کم وبیش مدت کے لیے اس سے قائم کیا جائے تو اس میں اور زنا میں کوئی فرق نہیں ہے، اسلام نے شدید مجبوری میں اس کی اجازت دی جو کہ فتح مکہ کے موقع پر منسوخ ہوگئی۔ ص ۰۱۳۔

۱۴۔ محمد رفعت، مولانا، قاسمی: "مسائلِ رفعت قاسمی"، ج۲، ص ۰۳۲۔

۱۵۔ مودودی، ابو الاعلیٰ، سید، مولانا: "خواتین اور دینی مسائل"، ص ۹۲۔

۱۶۔ محمود احمد ظفر، حکیم: "اسلام کا معاشرتی نظام"، ص ۹۶۱۔

۱۷۔ القرآن، المُمۡتَحِنَۃ:۰۱۔

۱۸۔ محمد شفیع، مفتی، مولانا: "معارف القرآن"، ج۸، ص ۰۱۴۔

۱۹۔ ولی اللہ، شاہ، محدث، حجۃ السلام، دہلوی: "حجۃ اللہ البالغہ"، ص ۸۸۴۔

۲۰۔ القرآن، النّساء:۳۲۔

۲۱۔ محمد صدیق حسن، نواب، علامہ، بھوپالی: "خواتین کے لیے ۱۰۸ احکام قرآن"، ص ۶۷۔

۲۲۔ القرآن، نساء:۴۲۔

CC BY